علمی تحقیق

قرآن کریم کے سات حروف

مراد اور مفہوم

تمہید :

بخاری ومسلم وغیرہ میں وارد یہ حدیث بہت مشہور ومعروف ہے :إن هذا القرآن أُنزِلَ على سبعة أحْرُف، فاقرؤوا ما تَيَسَّرَ منه" (کہ یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، لہٰذا اُن میں سے جس حرف سے آسانی ہو پڑھ سکتے ہو)۔

بعض مناسبتوں سے گذشتہ دنوں تخصص فی الحدیث (سالِ اول) کے طلبہ کو بطور تمرین کے، اِس حدیث کی تخریج وتحقیق اور تشریح وتطبیق کا کام سونپا گیا تھا، ماشاء اللہ کئی طلبہ نے اچھی اور مدلل تحقیق پیش کی (تقبل الله منا ومنهم، وبارك فينا وفيهم، آمين)، اِس ماہ کی اِس مجلس میں طلبہ کے تیار کردہ ان ہی مقالات کی روشنی میں، مزید بحث ومراجعت کے بعد حدیثِ مذکور کی تشریح پیش کی جاتی ہے۔

حدیث کی تخریج اور اسنادی حیثیت:

یہ حدیث بخاری ومسلم سمیت اکثر کتبِ مشہورہ میں مختلف صحابہؓ سے موجود ہے، اس حدیث کے معنوی لحاظ سے متواتر ہونے پر تو علماء کا اتفاق ہے، البتہ لفظی اعتبار سے بھی متواتر ہے یا نہیں؟، اس سلسلے میں امام ابوعبید القاسم بن سلامؒ، امام حاکمؒ اور علامہ سیوطیؒ وغیرہم کی رائے یہی ہے کہ یہ حدیث لفظاً بھی متواتر ہے۔علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں :وردَ حديث:"أنزل القرآن على سبعة أحرف" من رواية جمع من الصحابة :أبي بن كعب، وأنس، وحذيفة بن اليمان، وزيدبن أرقم، وسمرة بن جندب، وسليمان بن صرد، وابن عباس، وابن مسعود، وعبد الرحمن بن عوف، وعثمان بن عفان، وعمر بن الخطاب، وعمرو بن أبي سلمة، وعمرو بن العاص، ومعاذ بن جبل، وهشام بن حكيم، وأبي بكرة، وأبي جهم، وأبي سعيد الخدري، وأبي طلحة الأنصاري، وأبي هريرة، وأبي أيوب، رضي الله عنهم أجمعين. فهؤلاء أحدو عشرون صحابياً، وقد نصَّ أبو عبيد على

تواتره.(الإتقان في علوم القران ۱ :۱۰۰)۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:ادعى أبو عبيدة تواتره، لأنه ورد من رواية أحد وعشرين صحابياً، ومراده التواتر اللفظي، وأما تواترة المعنوي فلا خلاف فيه. (مرقاة المفاتيح ۵ :۹۱)۔

علامہ زُرقانیؒ شارحِ "موطأ" کا ارشاد ہے:وأما حديث سمرة رفعه أنزل القرآن على ثلاثة أحرف"، رواه الحاكم فقال تواترت الأخبار بالسبعة إلا في هذا الحديث (شرح الزرقانی ۲:۱۱)۔

نیز متعدد محدثین (مثلاً ابو یعلی موصلی وابن ابی اسامہ) نے یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ نے منبر پر یہ اعلان فرمایا کہ وہ تمام حضرات کھڑے ہوجائیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہو کہ "قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا، جن میں سے ہر ایک حرف شافی وکافی ہے"، چنانچہ صحابہ کرامؓ کی اتنی بڑی جماعت کھڑی ہوگئی جسے شمار نہیں کیا جاسکا۔(المطالب العالیۃ ۳۴۸)۔

حدیث کا پس منظر اور سات حروف پر نزول کی حکمت:

اِس سلسلہ میں سب سے زیادہ مشہور دو قصے ہیں:

پہلا قصہ: قاریٔ قرآن حضرت اُبی بن کعبؓ کا ہے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مسجدِ نبوی میں بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص آیا، اُس نے نماز کی نیت باندھ کر قراءت شروع کی، تو بعض بعض مواقع پر اس نے کچھ الگ انداز سے پڑھا، میں چونکا، تھوڑی ہی دیر میں دوسرا شخص آیا، اُس نے انہی مقامات کو کچھ اور انداز سے پڑھا، میں اور حیرت میں پڑ گیا، نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تینوں کی حاضری ہوئی، مسئلہ پیش ہوا، آپؐ نے تینوں کی تصویب فرمائی، میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی، بلکہ مجھے قرآن کے الفاظ کے "وحیٔ الٰہی" ہونے ہی میں شبہ ہونے لگا، آپؐ نے میری کیفیت محسوس فرمائی، میرے سینے پر ہاتھ مارا، اور وضاحت فرمائی کہ:

> میں بنو غفار کے کنویں کی طرف گیا ہوا تھا، جبریلؑ: اللہ کی طرف سے پیغام لے کر آئے کہ قرآن ایک حرف پر پڑھنا چاہتے ہیں یا دو حرف پر؟ جبریلؑ نے خود ہی مشورہ دیا کہ کہہ دیجیے کہ دو حرف پر، پھر سؤال ہوا کہ دو یا تین؟ فرشتے نے مشورہ دیا کہ تین عرض کردیں، اِس طرح سے سات حروف تک کی اجازت ہوگئی۔(مسلم :۸۲۰، ۸۲۱، وابوداود :۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ونسائی :۹۳۹-۹۴۱)۔

مسند احمد (۵/۵۱) کی روایت میں ہے کہ میکائیلؑ نے مشورہ دیا تھا کہ اور زیادتی طلب کیجیے، تو

اُن ہی کے مشورے پر آپؐ زیادتی طلب فرماتے رہے یہاں تک کہ سات حروف تک کی اجازت مل گئی۔

ترمذی (۲۹۴۴) کی روایت میں یہ مضمون اس طرح وارِد ہوا ہے کہ اولاً اللہ کی طرف سے لوگوں کو ایک ہی حرف پر قرآن پڑھانے کا پیغام آیا تھا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ میں تو ایک اَن پڑھ قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں، جن میں سن رسیدہ بوڑھیاں بھی ہیں، لب گور بوڑھے بھی ہیں، لڑکے اور لڑکیاں بھی ہیں، اور ناخواندہ افراد بھی ہیں، اِن لوگوں کے لیے ایک ہی حرف کی پابندی مشکل ہو جائے گی، اور میری اُمت اس کا تحمل نہیں کر سکے گی، تو اس پر اضافہ کرتے کرتے سات حروف تک کی گنجائش دے دی گئی۔

نسائی (۹۳۹) کی روایت میں ہے کہ ہر مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے رہے: "أسأل اللہ معافاته ومغفرته، وإن أمتي لا تطيق ذلك" (میں اللہ سے اس کی معافی اور مغفرت چاہتا ہوں، میری اُمت ایک حرف کی پابندی برداشت نہیں کر پائے گی)، یہاں تک کہ سات حروف تک کی اجازت مل گئی۔

اِس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کو "سات حروف" پر نازل کرنے کی حکمت یہ ہے کہ امت کو تلاوت میں آسانی ہو جائے، اور یہ آسانی اور سہولت (فرشتوں کے مشورہ سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بار بار کی درخواست اور فرمائش پر مرحمت فرمائی گئی ہے۔

دوسرا قصہ: حضرت عمرؓ کا ہے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ہشام بن حکیم بن حزامؓ کے پاس سے گذر رہا تھا، وہ نماز میں سورۂ فرقان کی قراءت کر رہے تھے، اور انھوں نے بعض حروف اس سے مختلف انداز سے پڑھے جس طرح کہ میں نے یاد کر رکھے تھے، سن کر مجھ بہت شدید تغیر ہوا، جی چاہا کہ نماز ہی میں ان پر ٹوٹ پڑوں، مگر پھر برداشت کر گیا، اور نماز پوری کرنے کی مہلت دے دی، نماز ختم ہوتے ہی گریبان پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا، اور عرض کیا کہ سورۂ فرقان جس طرح سے آپ نے مجھے پڑھائی ہے، یہ اُس سے الگ انداز سے پڑھ رہے تھے، آپؐ نے فرمایا کہ اِن کا گریبان تو چھوڑ دو، پھر آپؐ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا: کہ ہاں بھائی! تم کیسے پڑھ رہے تھے؟ انھوں نے سنایا، پھر مجھ سے فرمایا کہ اَب تم پڑھو، میں نے بھی پڑھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں ہی ٹھیک پڑھ رہے ہو، دراَصل قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔ (بخاری: ۴۹۹۲، ومسلم: ۸۱۸، وابو داود: ۱۴۷۵، وترمذی: ۲۹۴۳، ونسائی: ۹۳۶-۹۳۸)۔

اِسی طرح کے واقعات اور بھی صحابہؓ کے درمیان پیش آئے، جن کی طرف حافظ ابن حجرؒ نے ’’فتح الباری‘‘(۴۹۹۲) میں اشارہ فرمایا ہے۔

اَحرُفِ سبعہ (سات حروف) سے کیا مراد ہے؟

یہاں یہ بحث بہت اہم ہے کہ احادیث میں قرآن کے جن ’’سات حروف‘‘ پر نازل ہونے کی خبر دی گئی ہے، اُن ’’سات حروف‘‘ سے کیا مراد ہے؟۔

اگر کہا جائے کہ موجودہ ’’قراءاتِ سبعہ‘‘ مراد ہیں۔تو پھر سؤال ہوگا کہ اِن کے علاوہ جو اور قراءات (عشرہ وغیرہ) صحیح طور پر منقول و متوارث ہیں وہ کہاں سے آگئیں؟ اِسی طرح جن حضرات نے بعض اور قراءات پر بھی متواتر، یا صحیح ہونے کا حکم لگایا ہے، اور اُن کی تلاوت کو درست قرار دیا ہے، اُس کی بنیاد کیا ہے؟۔

اِسی طرح خود قراءسبعہ کی بعض قراءات کو مجروح اور شاذ قرار دیا گیا ہے، وہ کیسے درست ہوسکتا ہے؟!(النشر فی القراءات العشر ۱ر۴۴، وعلوم القرآن ص:۱۳۸)۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قراءاتِ سبعہ کے اختلافات تو صرف طرزِ اداء تک کے ہیں، جب کہ بعض احادیث سے الفاظ کے اختلاف کا بھی ثبوت ملتا ہے، مثلاً حضرت ابو بکرہؓ کی ایک حدیث امام احمد (۲۰۵۱۴) وغیرہ نے تخریج کی ہے، اُس کا مضمون یہ ہے:

> کہ جبریلؑ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: قرآن کو ایک ہی حرف پر پڑھنا ہے، اِس پر میکائیلؑ نے مشورہ دیا کہ اِس پر اضافہ کروائیے، آپؐ اُن کے مشورے سے اضافہ کرواتے رہے یہاں تک کہ سات حروف تک کی اجازت مل گئی۔اس کے آخر میں ہے کہ حضرت جبریلؑ نے عرض کیا: ٹھیک ہے، ان میں سے ہر ایک حرف کافی اور شافی ہوجائے گا تا وقتیکہ آپؐ عذاب کی آیت کو رحمت سے، یا رحمت کی آیت کو عذاب سے مخلوط نہ کریں، لہٰذا ’’تعالَ‘‘ (آؤ)، ’’أقبِل‘‘ (آؤ)، ’’ھَلُمّ‘‘ (آؤ)، ’’اِذھب‘‘ (جاؤ)، ’’أسرِع‘‘ (جلدی کرو)، اور ’’عَجِّل‘‘ (جلدی کرو) جیسے الفاظ میں مترادفات کا استعمال کر سکتے ہیں۔
>
> سنن ابو داود (۱۴۷۷) وغیرہ میں حضرت اُبیؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ مثلاً ’’عزیزاً حکیماً‘‘ کی جگہ پر ’’سمیعاً علیماً‘‘ وغیرہ پڑھ سکتے ہو، ہاں آیتِ عذاب: آیتِ رحمت سے، یا آیتِ رحمت: آیتِ عذاب سے خلط ملط نہ ہو‘‘۔

اِس سے معلوم ہوا کہ اِن ’’سات حروف‘‘ کا تعلق صرف طرزِ اداء کے اِختلافات سے نہیں تھا، بلکہ یہاں اور بھی اِختلافات تھے، جن کے دائرے میں رہتے ہوئے قرآن پڑھنے کی گنجائش دی گئی تھی۔

اور اگر اِن ’’حروفِ سبعہ‘‘ کا مصداق مروّجہ ’’قراءاتِ سبعہ‘‘ کو نہ مانا جائے تو پھر یہ سوال ہوگا کہ پھر وہ منزّل من اللہ قراءات چلی کہاں گئیں؟ اور حفاظتِ قرآن کے وعدے کے ہوتے ہوئے کوئی قراءتِ صحیحہ ضائع کیسے ہوگئی؟! اور اِن قراءاتِ سبعہ کی شرعی اور علمی حیثیت کیا ہے؟

اِن ہی سب سؤالات کے نتیجے میں یہ بحث فنِ قراءت کی ایک معرکۃ الآراء بحث بن گئی ہے، حتی کہ حافظ ابن حبانؒ اور قاضی ابن العربیؒ نے اس سلسلے میں علماء کے پینتیس اقوال شمار کرائے ہیں، اور قراءت کے مشہور امام علامہ ابن الجزریؒ اور ملا علی قاریؒ وغیرہ نے چالیس کے قریب اقوال ہونے کا تذکرہ کیا ہے، جن میں سے اکثر اقوال علامہ سیوطیؒ نے ’’الاتقان‘‘ ۱؍ ۱۶۴-۱۷۶ میں، بیان بھی فرمادیئے ہیں۔

اِس موضوع پر علامہ ابن الجزریؒ [ت: ۸۳۳ھ] نے ’’النشر فی القراءات العشر‘‘ میں، حافظ ابن حجرؒ [ت: ۸۵۲ھ] نے ’’فتح الباری‘‘ میں، حضرت شیخ الحدیثؒ [ت: ۱۴۰۲ھ] نے ’’اوجز المسالک‘‘ میں نہایت بسط وتفصیل کے ساتھ کلام فرمایا ہے، اور اُردو میں شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اپنی معروف کتاب ’’علوم القرآن‘‘ میں ان تمام مصادر ومآخذ کا احاطہ کرتے ہوئے، انتہائی محققانہ اور بصیرت افروز بحث فرمادی ہے، جس سے مسئلہ کے تمام پہلو پوری طرح سے روشن اور منقح ہوجاتے ہیں، اور قولِ راجح متحقق اور متعین ہوجاتا ہے۔

چوں کہ حضرت مفتی صاحب کے پیشِ نظر موضوع سے متعلق بہت سی الجھی ہوئی گتھیاں تھیں، اس لیے اُن کو سلجھانے میں طوالت زیادہ ہوگئی ہے، لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ یہاں حضرت ہی کی گفتگو کی روشنی میں مزید تحقیق ومراجعت کے بعد اِس بحث کا ایسا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے کہ ایک عام طالب علم کے لیے بھی استفادہ ممکن ہوجائے، اور بحث زیادہ طویل ہوکر، باعثِ اِملال نہ ہوجائے۔

علمی تحقیق

گذشتہ سے پیوستہ

قرآن کریم کے سات حروف

مراد اور مفہوم

مولانا محمد معاویہ سعدی
استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

[گذشتہ مجلس میں "قرآن کے سات حروف" سے متعلق جو سلسلۂ بحث شروع کیا گیا تھا اسی سے متعلق ایک طالب علم نے حضرت قاری ابوالحسن صاحب اعظمی زیدمجدہم کے "علمِ قراءت اور قراء سبعہ" نامی ایک رسالہ کی طرف رہنمائی کی، وہ رسالہ دیکھا تو واقعی اس کے مقدمہ میں اس موضوع پر نہایت محققانہ اور بصیرت افروز کلام کیا گیا ہے، اِس لیے پیشِ نظر مضمون میں اس سے بھی کافی استفادہ کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ تمام اکابر اور علماء ومشائخ کو ہم سب کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، اور ان کے علوم ومعارف سے ہم سب کو مستفید فرمائے، آمین]

اِس پر تو علماء کا اتفاق ہے کہ یہاں "سبعۃ أحرف" میں ہر ہر حرف کو سات طرح سے پڑھنا مراد نہیں ہے، بلکہ بحیثیتِ مجموعی سات طرح کے اِختلافات مراد ہیں، البتہ اُن اختلافات کی نوعیت کیا ہے؟ اِس میں علماء کے درمیان شدید اِختلاف ہے، ان میں سے چند مشہور اقوال یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ بعض حضرات نے مسئلہ سے متعلق مختلف اقوال کو دیکھ کر، اس کو لاینحل سمجھ لیا، اور حدیثِ مذکور کو "متشابہات" میں سے قرار دے دیا، یہ قول محمد بن سعدان نحویؒ کا ہے، اُن کا کہنا ہے کہ لفظِ "حرف" (کلمہ، معنیٰ، جہت اور حرفِ ہجاء وغیرہ) متعدد معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور یہاں کسی ایک معنیٰ کی تعیین مشکل ہے، اِس لیے یہ حدیث متشابہات میں سے ہے۔ (البرہان للزرکشی ۱/۲۱۳)۔

اِسی قول کو "زہر الربیٰ" (حاشیۃ النسائی ۸/۹۳۸) میں علامہ سیوطیؒ نے بھی اِختیار فرمایا ہے۔

مگر ظاہر ہے کہ یہ قول درست نہیں، کیوں کہ تھوڑی سے تحقیق وتدقیق سے اس کی مراد اور مفہوم کا تعین کیا جاسکتا ہے، لہٰذا اس کو متشابہات میں سے قرار دینا کیسے درست ہوسکتا ہے؟!۔

۲- قاضی عیاضؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ قراءاتِ صحیحہ متواترہ تو سات سے کہیں زیادہ ہیں، اِس لیے یہاں ''سبعہ'' کا لفظ تحدید کے لیے نہیں، بلکہ تکثیر کے لیے ہے۔

مگر یہ قول بھی مسئلہ کی اصل حقیقت کی ترجمانی کرنے سے قاصر نظر آتا ہے، نیز احادیث میں جس سیاق وسباق کے ساتھ لفظِ ''سبعہ'' وارِد ہوا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار کی درخواست پر ایک سے بڑھا کر سات تک کی اجازت دی گئی۔ اس کے پیشِ نظر بھی اس کو محض تکثیر پر محمول کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

۳- بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد سات مشہور قاریوں کی قراءتیں ہیں۔

یہ رائے متاخرین میں سے بہت سے علماء نے اِختیار فرمائی ہے، چنانچہ فنِ تجوید کے امام علامہ ابن الجزری (ت ۸۳۳ھ) نے اپنے بعض پیش روؤں کے حوالے سے اس کو نقل کیا ہے (اور پھر نہایت زور دار رَد بھی فرمایا ہے)، اِسی طرح شارحِ مسلم علامہ اُبی (اکمال اِکمال المعلم ۳؍ ۱۶۵) نے اپنے اُستاذ ابو عبداللہ بن عرفہ (ت ۸۰۳ھ) کا مختار مذہب اِسی کو قرار دیا ہے، اِسی طرح ملا علی قاریؒ (ت ۱۰۱۴ھ) نے ''مرقاۃ المفاتیح'' (۲۲۱۱) میں اِسی کو اِختیار کرتے ہوئے، حدیثِ مذکور کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں میں سے قرار دیا ہے، کہ آپ کی پیشین گوئی کے مطابق سات قراءات ہی متواتر ہو سکیں، اور باقی غیر متواتر ہونے کی وجہ سے شاذ قرار پائیں!۔

اپنے اکابر میں سے حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے بھی پورے جزم سے اِسی رائے کو اِختیار فرمایا ہے (الفیض السمائی ۱؍ ۵۲۴)۔

لیکن اِس رائے کو علمائے محققین نے کبھی بھی قبول نہیں فرمایا، بلکہ نہایت شد ومد سے اس کو رد فرمایا ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ:

ایک تو اِس قول کی بنیاد پر ''قراءاتِ عشرہ'' کا غیر متواتر ہونا لازم آتا ہے، حالاں کہ بغوی، ابن الصلاح، ابن تیمیہ، ابو حیان اندلسی، سبکی، رحمہم اللہ، جیسے تمام محققین کی صراحت یہ ہے کہ اِن قراءاتِ عشرہ میں سے کسی میں بھی نماز جائز ہے۔

دوسرے قراءاتِ سبعہ کے علاوہ جو دوسری صحیح اور معتبر قراءتیں ہیں (جن میں ''عشرہ'' بھی ہے) ان کی تردید اور اِبطالِ کلی بھی لازم آتا ہے کہ پھر وہ کہاں سے آگئیں؟!

نیز ''مروجہ قراءتِ سبعہ'' کا جو علمی وتاریخی پس منظر ہے، اُس پر بھی یہ دعوی منطبق نہیں ہو پاتا، اِس لیے کہ محققین کے ہاں اِس کی جو تفصیل ملتی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صحابہ کو مختلف قراءتوں پر قرآن پڑھایا تھا، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کی تدوین کی اور اُنھیں نقطوں اور اعراب سے خالی رکھا، تا کہ تمام مسلمہ قراءتیں اس میں سما سکیں، اور ابتدائی مصاحف (جو چار، یا سات، یا آٹھ تھے) تیار کرا کے اسلامی سلطنت کے مختلف خطوں میں روانہ کیے، تو ان کے ساتھ ایسے قراء کو بھی بھیجا جو اس کی تلاوت سکھا سکیں۔

تو ان قراء میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی قراءتوں اور طرزِ اداء کے مطابق ہی لوگوں کو قرآن کی تعلیم دی، اور یہ مختلف قراءتیں اور طرزِ اداء لوگوں میں عام ہو گیا، اور بحیثیتِ مجموعی قراءات کی ایک بڑی تعداد وجود میں آتی چلی گئی، بہت سے حضرات نے ان مختلف قراءتوں کو یاد کرنے اور دوسروں کو سکھانے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں، اس طرح علم قراءت کی بنیاد پڑ گئی، اور مختلف بلاد وامصار میں متعدد ماہرینِ فن اس میں ایسے ممتاز ہو گئے کہ لوگ قرآن کے سیکھنے سکھانے میں انہی کی طرف رجوع کرنے لگے، اور یہ تعداد پچاسوں اور سیکڑوں قراء کی تھی، جن کی قراءات اور طرزِ اداء کا حوالہ دیا جاتا تھا، اور لوگ اس سلسلے میں ان کو حجت تسلیم کرتے تھے۔

پھر عوام وخواص کے اختلاط اور اہل ونااہل کی عدمِ تمیز سے، تیسری صدی آتے آتے اس میں ایک بار پھر خلط والتباس کے خطرات محسوس کیے جانے لگے، اس موقع پر فقہ ولغت اور حدیث وقراءت کے مشہور امام ابو عبید قاسم بن سلامؒ (ت ۲۲۴ھ) نے سب سے پہلی تصنیف فرمائی، جس میں انھوں نے قراء سبعہ سمیت تقریباً پچیس قاریوں کی قراءتیں جمع کیں، ان کے بعد احمد بن جُبیر بن محمد الکوفیؒ (ت ۲۵۸ھ) نے ''قراءاتِ خمسہ'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی، پھر قالونؒ کے شاگرد قاضی اسماعیل بن اسحاق مالکیؒ (ت ۲۸۲ھ) نے اپنی تصنیف میں بیس ائمہ کی قراءات جمع کیں، جنمیں ائمۂ سبعہ بھی شامل ہیں۔ ان کے بعد امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری (ت ۳۱۰ھ) نے بیس سے زائد قراءات پر مشتمل ''الجامع'' نامی کتاب تصنیف فرمائی۔

پھر ان کے بعد اسی چوتھی صدی ہجری میں اور بھی بہت سے حضرات اس موضوع پر تصنیف

کرتے رہے، اور اُن قراءتوں کو جمع فرماتے رہے جو اُن تک پہنچیں، امام ابو محمد مکی (ت ۴۳۷ھ) فرماتے ہیں کہ بہت سے حضرات نے اپنی کتابوں میں (۷۰) سے زائد ایسے قراء کا تذکرہ کیا جن میں سے بعض، ائمہ سبعہ سے درجہ اور مرتبہ کے اعتبار سے اعلی وارفع ہیں، مزید برآں کہ علماء کی ایک جماعت نے اپنی تصانیف میں ان ائمہ سبعہ میں سے بعض کے تذکرے کو نظر انداز بھی فرمایا، جیسے ابو حاتم نے امام حمزہ، کسائی، اور ابن عامر کو چھوڑ دیا، اور ان کے علاوہ بیس ایسے قراء کا تذکرہ فرمایا جن میں سے بعض کا مقام ومرتبہ ان حضرات سے کہیں زیادہ فائق ہے! اسی طرح امام طبری، ابو عبید، اور قاضی اسماعیل نے بھی کیا۔

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ قراء اور قراءات کی اس کثرت اور تنوع کے باوصف، ان تمام تصنیفات اور مجموعات میں ایک اصولی ضابطہ اجماعی طور پر مسلّم تھا، وہ یہ کہ صرف وہ ہی قراءت، قرآن ہونے کی حیثیت سے قبول کی جائے گی جس میں تین شرائط پائی جاتی ہوں (یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ قرآن کریم اپنی حفاظت، کتابت اور رسم الخط کے لحاظ سے تو بہر حال متواتر ہے، لہٰذا یہ تین شرطیں صرف اس رسم کے تلفظ وادائیگی کی صحت اور اس کے قابلِ قبول ہونے کے لیے ہیں):

۱- مصاحفِ عثمانی کے رسم الخط میں اس تلفظ اور اداء کی گنجائش ہو۔

۲- عربی صرف ونحو کے قواعد کے مطابق ہو۔

۳- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو۔

علامہ ابن الجزری "النشر فی القراءات العشر" میں فرماتے ہیں:

> ہر وہ قراءت جو عربی کے قواعد کے مطابق ہو اور اس کی سند صحیح ہو تو وہ قراءتِ صحیحہ ہے، جس کا رد، یا انکار درست نہیں، بلکہ وہ اُن احرفِ سبعہ میں سے ہے جن پر قرآن نازل ہوا اور لوگوں پر اس کا قبول کرنا واجب ہے، خواہ وہ ائمہ سبعہ سے منقول ہو یا ائمہ عشرہ سے، یا ان کے علاوہ دیگر ائمہ مقبولین سے، اور اگر ان تین ارکان میں سے ایک رکن بھی مفقود ہو تو اس پر قراءتِ شاذہ یا ضعف کا اطلاق ہوگا، خواہ وہ ائمہ سبعہ ہی میں سے کسی سے منقول ہو۔

علامہ ابن الجزریؒ نے ان تین شرائط کو اپنے "اَلْفِیَۃ" (طَیِّبَۃُ النَّشر) میں بھی ذکر فرمایا ہے:

فَكُلُّ مَا وَافَقَ وَجْهَ نَحْوِ	وَكَانَ لِلرَّسْمِ احْتِمَالاً يَحْوِي
وَصَحَّ إِسْنَاداً هُوَ الْقُرْآنُ	فَهٰذِهِ الثَّلَاثَةُ الْأَرْكَانُ

اورآگے یہ بھی فرمایا:

وحَيثُماَ يَختَلّْ رُكنٌ أَثبِتِ	شُذُوذَهُ لَوْ أَنَّهُ فِي السَّبعَةِ

یہاں یہ بات بھی لائقِ توجہ ہے کہ بعض حضرات کے ہاں ان شرائط میں ایک چوتھی شرط: ”متواتر ہونے“ کا بھی ذکرآگیاہے، مگر اِس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ جو چیز تواتر سے ثابت ہو اس میں مزید کسی شرط کی اور کسی قسم کے ردوقدح کی ضرورت ہی کہاں رہ جاتی ہے؟ اِس لیے اِس باب میں تحقیق وہ ہے جو محقق ابن الجزریؒ نے ذکر فرمائی ہے، وہ یہ کہ :

قراءت کی اولاً دو قسمیں ہیں : ”صحیحہ، غیر صحیحہ۔

پھر اول (صحیحہ) کی دو قسمیں ہیں : متواترہ، غیر متواترہ۔

متواترہ کے بارے میں تو کوئی بحث اور تردد ہے نہیں۔ اور غیر متواترہ کی تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اس کے اندر مذکورہ تینوں شرطیں بھی پائی جاتی ہوں، اور اس کو شہرت اور استفاضہ کا مرتبہ بھی حاصل ہو گیا ہو، تو ایسی قراءت بھی قراءاتِ متواترہ ہی سے ملحق ہے، حتی کہ اس سے نماز بھی درست ہے۔

دوسرے یہ کہ تینوں شرطوں کے علی الرغم شہرت کے مرتبہ تک نہ پہنچ سکی ہو، تو بہت سے علماء اس کو بھی اسی طرح قبول فرماتے ہیں، اور اس میں جوازِ صلوۃ کے قائل ہیں، مگر بغوی، ابن الصلاح اور سبکی وغیرہ نے اس کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔

تیسرے یہ کہ اس کی سند بھی صحیح ہو، اور قواعدِ عربیت کے موافق بھی ہو، مگر رسم خطِ عثمانی کے مخالف ہو، تو ایسی قراءت شاذ کہلاتی ہے، جس کو بطور روایت کے تو بیان کیا جاسکتا ہے، مگر بطور تلاوت کے، یا نماز میں قراءت کے لیے اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور ثانی (غیر صحیحہ) وہ قراءت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سندِ صحیح کے ساتھ منقول نہ ہو، خواہ رسمِ خطِ عثمانی کے موافق بھی ہو، اور معنی کے لحاظ سے درست بھی ہو، ایسے کلمات کو قرآن کی طرف منسوب کرنا حرام اور مفضی الی الکفر ہے“ (ملخصاً وموضحاً من ”منجد المقرئین ومرشد الطالبین“، ص ۱۸ : ۱۹، لابن الجزری)۔

بہر حال! مذکورہ بالا شرائط وضوابط کے تحت امت متواتر قراءتوں کو نقل کرتی رہی، اور علمائے محققین اپنے اپنے زمانہ اور علاقہ کی رائج قراءتوں کو کتابوں میں جمع فرماتے رہے، یہاں تک کہ چوتھی صدی کے

اوائل میں فن تجوید وقراءت کے امام الائمہ شیخ ابو بکر احمد بن موسی بن عباس بن مجاہد العراقی (ت ۳۲۴ھ) تشریف لائے، جنھوں نے "کتاب السبعۃ فی القراءات" کے نام سے کتاب تصنیف فرمائی، اوراُن ائمہ ٔسبعہ کی قراءات پر اکتفاء کا جواب "قراء سبعہ" یا "قراءات سبعہ" کے نام سے معروف ومشہور ہیں۔ اللہ تعالی نے امام ابو بکر ابن مجاہدؒ کے اس انتخاب کو حسنِ قبول عطا فرمایا۔

پھر امام القراءات حافظ الحدیث العلامۃ المقرئ ابو عمرو عثمان بن سعید القرطبی الدانیؒ (ت ۴۴۴ھ) نے اپنی مشہورِ عالم کتاب "التیسیر" میں انہی قراء سبعہ کی قراءات کو، ہر ایک کے دو دو راویوں کے ساتھ مدون فرمادیا، حالاں کہ جس طرح قراء سبعہ کے علاوہ اور بھی بہت سے بڑے بڑے قراء اور ماہرینِ فن ائمہ تھے، اسی طرح خود اِن قراء سبعہ کے راویوں میں بھی اِن دو دو کے علاوہ بہت سے رُوات بھی تھے، مگر علامہ دانیؒ نے اپنی مجوزہ شرائط اور ترجیحات کی بنیاد پر یہ مجموعہ مرتب فرمایا۔

پھر علامہ ابو محمد القاسم بن فیرہ الرُّعینی الشاطبی (ت ۵۹۰ھ) نے "التیسیر للدانی" کو اپنے مشہور منظومہ "حرز الأمانی" میں نظم فرمادیا، اِن دونوں کتابوں کو بھی قبولِ عام حاصل ہوا، اور ان ہی کے ذریعے ان قراء سبعہ اور ان کی قراءات کو بھی فروغ حاصل ہوتا گیا، اور ساتھ ہی انحطاطِ زمانہ اور فتورِ ہمم سے لوگ بھی آہستہ آہستہ بس انہی کتابوں کی تعلیم وتحصیل پر اکتفاء کرنے لگے، یہاں تک کہ ساتویں اور آٹھویں صدی آتے آتے دیگر قراءات کی تحصیل واجازات کا سلسلہ ہی محدود ومفقود ہوتا چلا گیا۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

> ابن مجاہدؒ کا مقصد تو بس "سبعۃ أحرف" کی مناسبت سے اپنے زمانہ اور اپنے علاقہ کی سات مشہور تر قراءتوں کو جمع کرنا تھا، نہ کہ ان کے علاوہ قراءتوں کے ثبوت وصحت کا اِنکار کرنا
>
> (منجد المقرئین لابن الجزری، ص ۲۸)۔

حافظ ابن حجرؒ نے بھی "فتح الباری" (۴۹۹۲) میں بہت سے ائمہ مثلاً امام ابو شامہ، ابن عمار، مکی بن ابی طالب، ابو العلاء الہمدانی اور ابو حیان رحمہم اللہ کے حوالے سے یہ بات ثابت کی ہے کہ "أحرفِ سبعہ" قراءات سبعہ مشہورہ میں منحصر نہیں ہیں، بلکہ ان کے علاوہ بھی قراءتیں متواتر ہیں اور ان کی تلاوت جائز ہے۔

اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ فنِ حدیث میں بخاری ومسلم نے مخصوص شرائط اور معیار پر اپنی "صحیحین"

مرتب فرمائیں، اور منجانب اللہ ان کی کتابوں کو قبولِ عام بھی حاصل ہوا، مگر اس کا یہ مطلب کسی طرح بھی درست نہیں ہے کہ احادیثِ صحیحہ، بخاری و مسلم کے علاوہ کہیں اور ہیں ہی نہیں، جیسا کہ خود امام مسلمؒ نے صراحت کے ساتھ اِن الفاظ میں اِس کی وضاحت فرمائی ہے: **ليس كل شيء عندي صحيح وضعته ههنا، إنما وضعت ههنا ما أجمعوا عليه** (صحیح مسلم ۲۰۴)۔

حضرت قاری ابوالحسن صاحب مدظلہم لکھتے ہیں :

> اسی طرح سبعہ کے بعد کی بھی تین قراءات غائب ہوجاتیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ابن مہران (ت ۳۸۱ھ)، ابن غلبون (ت ۳۸۹ھ)، ابن شیطا (۴۴۵)، اہوازی (ت ۴۴۶ھ)، قلانسی (ت ۵۲۱ھ)، ابو العلاء (ت ۵۶۹ھ) اور محقق ابن الجزری (ت ۸۳۳ھ) رحمہم اللہ کو توفیق عطا فرمائی، اور یہ (ان کے) پڑھنے پڑھانے اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے، ساتھ ہی ساتھ اہلِ مصر بھی خدمت کرتے رہے، اِس لیے (یہ) محفوظ رہ گئیں" (علمِ قراءت اور قراء سبعہ، ص ۶۴)۔

اِن تفصیلات اور تاریخی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے، حدیث میں وارد "سبعۃ أحرف" سے مراد "ائمۂ سبعہ مشہورہ" کی قراءات کو مراد لینے کی کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ اِس زمانہ میں بھی "قراءاتِ سبعہ" کے ساتھ ساتھ "عشرہ" میں بھی نماز بلا اختلاف اور بلا تردد جائز ہے، اِس لیے کہ ان میں سب سے پہلے تو تواتر ہی پایا جاتا ہے، جس کے ہوتے ہوئے کسی اور شرط کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی، اور ویسے مذکورہ تینوں شرائط پر بھی یہ قراءتیں پوری اترتی ہیں، اور جہاں تک "عشرہ" سے زائد باقی تین مشہور قراءت کی ہے، تو ان کے بارے میں محقق ابن الجزریؒ نے صراحت فرمائی ہے کہ ان میں تلاوت تو جائز ہے، البتہ نماز کے بارے میں محققین نے ممانعت فرمائی ہے، اِس لیے کہ ان میں بہت سے کلمات خلافِ شرائط اور خلافِ جادہ ہیں (منجد المقرئین، ص ۲۵، ورد المحتار ۱/ ۴۸۶)۔

اور ان کے علاوہ جو قراءات متفرق طور پر کتابوں میں پائی جاتی ہیں چوں کہ اَب وہ منضبط اور مرتب بھی نہیں ہیں، یا رسم عثمانی کے موافق نہیں ہیں، یا اسانیدِ صحیحہ سے مروی نہیں ہیں، اِس لیے باتفاقِ فقہاء اُن میں نماز درست نہیں۔ واللہ اعلم

علمی تحقیق

گذشتہ سے پیوستہ

قرآن کریم کے سات حروف

مراد اور مفہوم

مولانا محمد معاویہ سعدی
استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

گذشتہ صفحات میں ”سبعۃ أحرف“ کی مراد اور مصداق سے متعلق علماء کے تین اقوال پیش کیے گئے، اور ہر ایک کے تحت وہ وجہ بھی بیان کردی گئی جس کی بناء پر مذکورہ قول، محققین کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہوسکا، بالخصوص بعض حضرات کا یہ قول کہ ”اِس سے قرائے سبعہ کی قراءتیں مراد ہیں“، اِس قول کے وہن اور ضعف کو نہایت تفصیل اور وضاحت کے ساتھ پیش کیا جاچکا۔

آئندہ سطور میں مسئلہ سے متعلق تین اہم اقوال اور پیش کر کے پھر ان شاء اللہ تعالیٰ قولِ راجح کے طور پر ”سابع“ (ساتواں) قول ذکر کیا جائے گا۔

(۴) چوتھا قول حافظ ابن جریر طبریؒ وغیرہ کا ہے کہ ”سات حروف“ سے مراد قبائلِ عرب کی سات لغات ہیں، تاکہ ہر قبیلہ آسانی کے ساتھ اپنی لغت کے مطابق قرآن کریم پڑھ سکے، اسی کو امام بیہقی اور ابہری نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔

لیکن بہت سے محققین مثلاً ابن عبد البرؒ، علامہ سیوطیؒ اور علامہ ابن الجزریؒ وغیرہ نے اس قول کی بھی تردید کی ہے، اس لیے کہ عرب کے قبائل تو بہت سے ہیں، ان میں سے صرف سات کے انتخاب کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ دوسرے یہ کہ حضرت عمرؓ اور ہشامؓ کے درمیان اختلاف ہوا تھا، حالانکہ دونوں قرشی تھے۔

اِن دونوں اعتراض کا جواب اگرچہ دیا گیا ہے: پہلے کا تو یہ کہ سات اہم اور مشہور قبائل کی لغات مراد ہیں، اور وجہِ ترجیح ان کی وسعت، اہمیت اور شہرت ہوسکتی ہے۔ اور دوسرے کا یہ کہ حضرت عمرؓ اور ہشامؓ اگرچہ دونوں قرشی ضرور ہیں، لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ ہشام کی تربیت دوسرے قبیلے میں ہوئی ہو اور انھوں نے ان کی زبان سیکھ لی ہو، جیسا کہ عربوں کی عام عادت تھی (مغیث النفع، للمتقری علی النوری الصفاقسیؒ)۔

لیکن اِس جواب کے باوجود مذکورہ قول میں چند پہلو بہر حال تشنہ رہ جاتے ہیں:

۱- : وہ سات لغات پر مشتمل قراءات گئیں کہاں؟ حالانکہ باری تعالی کے فرمان: **إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون** کے تحت ان کو بھی محفوظ رہنا چاہیے تھا۔ اگرچہ اِس کا جواب اِن حضرات نے یہ دیا ہے کہ اُمت پر تسہیل کے لیے ان قراءات کی اجازت دی گئی تھی، پھر جب حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اختلافات زیادہ ہونے لگے تو حضرتؓ نے سب کو ایک قراءت پر جمع کر دیا، اور باقی قراءات ضائع ہوگئیں، مگر علماء نے اِس جواب کو قبول نہیں فرمایا کہ جو چیز اتنے اہتمام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست اور خواہش پر اتاری گئی ہو، اور اللہ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہو، صحابہؓ از خود اُس کو منسوخ کیسے فرما سکتے ہیں؟! اور وہ ضائع کیسے ہو سکتی ہے؟!۔

۲- سات لغات کی عملی صورت کیا ہوگی؟۔

۳- تیسرے یہ کہ امام طحاویؒ کے بقول یہ دعوی قرآنی ارشاد: **وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه** کے ظاہر کے بھی خلاف ہے۔

(۵) پانچواں قول حضرت اقدس گنگوہیؒ کا ہے کہ حدیث: **"أنزل القرآن على سبعة أحرف"** میں "نزول" سے مراد یہ ہے کہ قرآن اصلاً تو نازل ہوا تھا صرف ایک لغت (یعنی لغتِ قریش) پر، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست پر اُس کو مزید چھ حروف پر پڑھنے کی اجازت دے دی گئی، لہٰذا اب وہ اُن حروف (لغات) کے ساتھ بھی أحکام کے لحاظ سے ایسا ہی ہو گیا جیسے اُن ہی کے ساتھ نازل ہوا ہو۔ اور اِس سے "قراءاتِ سبعہ" مراد نہیں ہیں، بلکہ یہ قراءات تو لغتِ واحدہ ہیں، اور ایک ہی لغت کے الفاظِ مختلفہ میں کیا تیسیر ہو سکتی ہے! جب کہ مقصود اس سے تیسیر ہی ہے۔ (لامع ۳/ ۲۵۳، والدر المنضود ۲/ ۶۱۸)۔

اس قول کی تائید حضرت عثمانؓ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے فرمایا تھا کہ: **إذا اختلفتم أنتم في شيء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش، فإنما نزل بلسانهم** (بخاری ۳۵۰۶، وترمذی ۳۱۰۴)۔

(۶) حضرت گنگوہیؒ کے مذکورہ قول کی تائید امام طحاویؒ کے مذہب سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم نازل تو لغتِ قریش پر ہوا، لیکن ہر ایک کو اجازت تھی کہ وہ اپنی علاقائی

زبان کے مطابق مرادف الفاظ کے ساتھ تلاوت کرلے، لیکن یہ مرادِف الفاظ بھی حضور نے متعین فرمائے تھے۔ جیسا کہ حدیثِ عمرؓ اور ہشامؓ سے واضح ہے، کہ ان میں سے ہر ایک نے کہا "أقرأنيها النبي صلى الله عليه وسلم" اور اس سے یہ مراد نہیں کہ ہر کلمہ میں علی الاطلاق سات مرادفات کی اجازت ہے، بلکہ مطلب یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ جتنے مرادفات استعمال کیے جاسکتے ہیں ان کی تعداد سات ہے۔

"سبعۃ أحرف" سے "سات مرادفات" مراد ہیں، اِس کے لیے امام طحاویؒ اور ان کے متبعین دلیل میں حضرت ابوبکرہؓ کی وہ روایت پیش کرتے ہیں جو مسند احمد ۲۰۵۱۴ کے حوالے سے پہلے گذر چکی ہے کہ:

> حضرت جبریلؑ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ: قرآن کو ایک ہی حرف پر پڑھنا ہے (یعنی جس طرح نازل ہوا ہے بس اسی طرح پڑھنا ہے)، اِس پر میکائیلؑ نے مشورہ دیا کہ اِس پر اضافہ کروائیے، آپؐ اُن کے مشورے سے اضافہ کرواتے رہے، یہاں تک کہ سات حروف تک کی اجازت مل گئی۔ اس کے آخر میں ہے کہ جبریلؑ نے عرض کیا: ٹھیک ہے، ان میں سے ہر ایک حرف کافی اور شافی ہوجائے گا تاوقتیکہ آپؐ عذاب کی آیت کو رحمت سے، یا رحمت کی آیت کو عذاب سے مخلوط نہ کریں، لہٰذا "تعالَ" (آو)، "أقبل" (آو)، "ھلُمّ" (آو)، "اِذھب" (جاؤ)، "أسرِع" (جلدی کرو)، اور "عجّل" (جلدی کرو) جیسے الفاظ میں مترادفات کا استعمال کرسکتے ہیں۔

اِسی طرح سنن ابوداود ۱۴۷۷ کے حوالے سے حضرت اُبیؓ کی یہ روایت گذر چکی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مثلاً "عزیزاً حکیماً" کی جگہ پر "سمیعاً علیماً" وغیرہ پڑھ سکتے ہو، ہاں آیتِ عذاب: آیتِ رحمت سے، یا آیتِ رحمت: آیتِ عذاب سے خلط ملط نہ ہونے پائے"۔

پھر مرادفات کے استعمال کی یہ اجازت صرف اسلام کے ابتدائی دور میں تھی، جب اہل عرب لغتِ قرآنی کے عادی ہوگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے والے رمضان میں حضرت جبریل سے آخری دور کیا، جسے عرضۂ اخیرہ کہا جاتا ہے، اس موقع پر یہ اجازت ختم کردی گئی، گویا "سات حروف" پر نازل ہونے کا مطلب یہ تھا کہ اسے ایک مخصوص زمانے تک سات حروف پر پڑھا جاسکے گا، اس کے بعد یہ گنجائش منسوخ ہوجائے گی۔

مگر اِن دونوں ہی اقوال میں یہ تردد ہے کہ ایک تو اس میں "أنزل القرآن" کی ایسی توجیہ کرنی پڑتی ہے جو "ھکذا أنزلت" کے ظاہر کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں مروجہ "قراءاتِ سبعہ"، و "عشرہ"

کی حیثیت واضح نہیں ہو پاتی کہ اِن کا وجود کہاں سے ہو گیا؟۔

(۷) ''سبعۃ أحرف'' کی راجح ترین تشریح:

مسئلہ سے متعلق راجح ترین قول اور حدیث کی بہترین تشریح یہ ہے کہ ''سات حروف'' سے مراد: اختلافِ قراءات کی سات نوعیتیں ہیں، چنانچہ قراءتیں تو اگر چہ سات سے زائد ہیں، لیکن قراءتوں میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ سات اقسام میں منحصر ہیں۔

ہمارے علم کے مطابق یہ قول متقدمین میں سے سب سے پہلے امام مالک (ت ۱۷۹ھ) کے یہاں ملتا ہے، پھر امام ابن قتیبہ (ت ۲۷۶)، امام ابوالفضل رازی (ت ۴۵۴)، قاضی ابوبکر باقلانی (ت ۴۰۳) اور محقق ابن الجزری (ت ۸۳۳) رحمہم اللہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے، اگر چہ سات نوعیتوں کی تعیین میں ان حضرات کے اقوال میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے، اس لیے کہ ہر ایک نے قراءات کا استقراء اپنے طور پر کیا ہے، مگر نفسِ مسئلہ میں سب متفق ہیں، ان میں امام ابوالفضل رازیؒ جو تجوید و قراءت کے بڑے ائمہ میں سے ہیں، اور ابوبکر بن مجاہدؒ کے اخص الخواص تلامذہ میں سے ہیں، اور جن کا شمار خطیب بغدادیؒ وغیرہ کے اساتذہ میں ہوتا ہے، اُن کا استقراء سب سے زیادہ منضبط، مستحکم اور جامع و مانع ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قرأت کا اختلاف سات اقسام میں منحصر ہے:

۱۔ :اسماء کا اختلاف: جس میں اِفراد، تثنیہ و جمع، اور تذکیر و تانیث دونوں کا اختلاف داخل ہے، جیسے: وتمت کلمة ربک کو ''کلمات ربک'' بھی پڑھا گیا ہے۔

۲۔ :افعال کا اختلاف: کہ کسی قرأت میں صیغہ ماضی ہو، کسی میں مضارع، کسی میں امر، یا کسی میں کسی باب سے ہو، کسی میں دوسرے باب سے، جیسے: ربنا باعِدْ بین أسفارنا، اور ایک قرأت میں: ''ربنا بعِّدْ بین أسفارنا۔

۳۔ :وجوہِ اعراب کا اختلاف: جس میں اعراب یا حرکات مختلف قراءتوں میں مختلف ہوں، جیسے: لا یُضارَّ کاتب اور ''لا یضارُّ کاتب۔

۴۔ :الفاظ کی کمی زیادتی کا اختلاف: کہ ایک قراءت میں کوئی لفظ کم، اور دوسری میں زیادہ ہو، جیسے: ایک قرأت میں وما خلق الذکر والأنثی اور ایک قرأت میں ''وما خلق'' نہیں ہے۔

۵۔ : تقدیم و تاخیر کا اختلاف: کہ ایک قرأت میں کوئی لفظ مقدم ہے، اور دوسری میں مؤخر،

جیسے :وجاءت سکرۃ الموت بالحق اور وجاءت سکرۃ الحق بالموت۔

۶- :بدلیت کا اختلاف: کہ ایک قرأت میں ایک لفظ ہے، اور دوسری قرأت میں اس کی جگہ دوسرا لفظ ہے، مثلا :نَنشُرُھا (بالراء) اور نُنشِزُھا (بالزای)، نیز فَتَبَیَّنُوا اور فَتَثَبَّتُوا، وطَلْحٍ اور "طَلْعٍ"۔

۷- :لہجوں کا اختلاف، جس میں تفخیم، ترقیق، اِمالہ، قصر، مد، ہمزہ، اظہار وادغام وغیرہ کے اختلافات شامل ہیں، جیسے :موسی، موسٰیٰ کی طرح۔

اِس قول کے دلائل:

۱- ﴿إنا نحن نزّلنا الذکر وإنا له لحافظون۔ اِس آیت میں صراحت ہے کہ جو آیتِ قرآنی خود اللہ تعالی نے منسوخ نہ فرمائی ہو وہ قیامت تک باقی رہے گی، دوسری طرف وہ احادیث ہیں جن میں تصریح ہے کہ قرآن کے ساتوں حروف منزّل من اللہ تھے۔ اس لیے مذکورہ آیت کا واضح تقاضا یہی ہے کہ وہ ساتوں حروف قیامت تک محفوظ رہیں۔

۲- "سبعۃ أحرف" کی تشریح میں "اختلافِ قراءات کی سات نوعیتوں" کے اِس قول کو اختیار کرنے میں: نہ تو "أنزل القرآن" کی خلافِ ظاہر توجیہ کرنی پڑے گی۔ نہ ہی "حفاظتِ قرآن" کے وعدے پر کوئی آنچ آئے گی۔ نہ دعویٔ نسخ کرنا پڑے گا۔ نہ ساتوں قراءات کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ وہ گئیں کہاں؟ اور نہ قرآنی اِرشاد :وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه کی ظاہری مخالفت کا اعتراض وارِد ہوگا۔ اور نہ ہی مروجہ "قراءاتِ سبعہ"، "عشرہ" کی حیثیت زیر بحث آئے گی کہ اِن کا وجود کہاں سے ہوگیا؟۔ اِس لیے کہ یہ تمام پہلوان سات "نوعیتوں" میں سما سکتے ہیں۔

۳- حضرت عَبیدہ سلمانیؒ جو مشہور تابعی ہیں، اُن سے مروی ہے :القراءۃ التي عُرضت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم في العام الذي قُبض فیه ھذہ القراءۃ التي یقرؤھا الناسُ التي جمعَ عثمانُ الناسَ علیھا (جو قراءت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی وفات کے سال پیش کی گئی تھی یہ وہ ہی قراءت ہے جس پر حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو جمع فرمایا ہے)۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۰۹۲۲، والمدخل للبیہقی ۲/ ۵۰۱، والدرالمنثور ۱/ ۲۵۸)۔

حضرت عبیدہ کا یہ قول اس بات پر بالکل صریح ہے کہ حضرت عثمان نے ان حروف میں سے کوئی

نہیں چھوڑا جو عرضۂ اخیرہ کے وقت باقی تھے۔

علامہ ابن سعد نے علامہ ابن سیرین کا یہ قول نقل فرمایا ہے: ”كان جبريل يعرض القرآن على النبي صلى الله عليه وسلم كل عام مرة في رمضان، فلما كان العام الذي توفي فيه عرضه عليه مرتين، قال محمد: فأنا أرجو أن تكون قراءتنا العرضة الأخيرة“ (طبقاتِ ابن سعد ۱۵۰/۲)۔

حضرت عامر شعبیؒ بھی مشہور تابعی ہیں، انھوں نے پانچ سو صحابہ سے استفادہ کیا ہے، علامہ ابن الجزریؒ نے ان سے بھی اسی طرح کا قول نقل کیا ہے۔

یہ تینوں حضرات تابعی ہیں اور حضرت عثمانؓ کا زمانہ پائے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کا قول اس باب میں قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات بھی بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ”حروفِ سبعہ“ کا جتنا حصہ عرضۂ اخیرہ کے وقت باقی رہ گیا تھا، وہ سارا کا سارا عثمانی مصاحف میں محفوظ کرلیا گیا، اور وہ آج تک محفوظ چلا آرہا ہے، نہ اس کو کسی نے منسوخ کیا اور نہ اس کی قراءت ممنوع قرار دی گئی، لہٰذا اس کی تطبیق کی سب سے واضح شکل وہی ہے جس کو امام ابوالفضل رازیؒ وغیرہ نے اِختیار فرمایا ہے۔

خلاصہ بحث:

(۱) اُمت کی آسانی کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی سے یہ درخواست کی کہ قرآن کریم کو مختلف طریقوں سے پڑھنے کی اجازت دے دی جائے، چنانچہ قرآنِ کریم کو سات حروف پر پڑھنے کی اجازت دے دی گئی۔

(۲) سات حروف پر نازل کرنے کا راجح ترین مطلب یہ ہے کہ اس کی قرأت میں سات نوعیتوں کے اختلاف رکھے گئے ہیں، جن کے تحت بہت سی قراءتیں وجود میں آگئیں۔

(۳) شروع شروع میں ان سات وجوہِ اختلاف میں سے اختلافِ اَلفاظ ومترادفات کی قسم بہت عام تھی، یعنی ایسا بکثرت تھا کہ ایک قرأت میں ایک لفظ ہوتا تھا، اور دوسری قرأت میں اس کا ہم معنی کوئی دوسرا لفظ، لیکن رفتہ رفتہ جب اہل عرب قرآنی زبان سے پوری طرح مانوس ہوگئے تو یہ قسم کم ہوتی گئی، یہاں تک کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے والے رمضان میں حضرت جبریلؑ کے ساتھ قرآن کریم کا

آخری دور کیا جسے اصطلاح میں "عرضۂ اخیرہ" کہتے ہیں تو اس میں اس قسم کے اختلافات کافی کم کر دیے گئے۔

(۴) جتنے اختلافات عرضہ اخیرہ کے وقت باقی رہ گئے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سب کو اپنے مصاحف میں اس طرح جمع فرمادیا کہ ان کو نقطوں اور حرکات سے خالی رکھا، لہذا قراءتوں کے بیشتر اختلافات اس میں سما گئے اور جو قراءتیں اس طرح ایک مصحف میں نہیں سما سکیں انھیں دوسرے مصاحف میں ظاہر کر دیا، اسی بنا پر عثمانی مصاحف میں کہیں کہیں ایک ایک دو دو لفظ کا اختلاف پیدا ہوا۔

(۵) حضرت عثمانؓ نے اس طرح سات مصاحف لکھوائے اور ان میں سورتوں کو بھی مرتب فرمادیا، جب کہ حضرت ابو بکرؓ کے مصاحف میں سورتیں غیر مرتب تھیں، نیز قرآن کریم کے لیے ایک رسم الخط متعین کر دیا۔

(۶) ہر وہ قراءت جس میں تین شرطیں پائی جائیں : ایک یہ کہ مصاحفِ عثمانی کے رسم الخط میں اس کی گنجائش ہو، دوسرے عربی صرف ونحو کے قواعد کے مطابق ہوں، تیسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو، وہ قراءت سبعۃ أحرف میں داخل ہے، اور قراءتِ صحیحہ کی مصداق ہے۔

(۷) قراءاتِ سبعہ مشہورہ سبعۃ أحرف کا خصوصی مصداق نہیں، بلکہ اس کے عمومی مصداق کا ایک حصہ ہیں، بایں طور کہ قراءاتِ سبعہ میں جو کچھ اختلافات ہیں وہ ان ہی "سبعۃ أحرف" کے دائرے میں ہیں، لیکن "سبعۃ أحرف" کے تحت جتنے اختلافات آتے تھے وہ سب قراءاتِ سبعہ میں آ گئے ہوں، ایسا نہیں ہے، جیسا کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ:

"... مطلب یہ ہے کہ سات قراءتیں اور سات حروف ایک چیز نہیں، جیسا کہ بادیٔ النظر میں سات کے لفظ سے وہم ہوتا ہے، بلکہ ان حروف اور سات قراءتوں میں عموم وخصوص من وجہٍ کی نسبت ہے، اور یہ دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟ جب کہ قراءتیں سات میں منحصر نہیں" (فیض الباری ۳۲۲ :۱) ۔

آخر میں میں اپنے ان طلبہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں (بالخصوص مولوی عبدالکریم مہاراشٹری فلاحی سلمہ) جن کے تعاون سے یہ گنجلک بحث قابو میں آسکی، اللہ تعالیٰ انھیں بھی اور مجھے بھی علمِ نافع اور عملِ صالح کی توفیق سے مالا مال فرمائے، اور خدمتِ دین کے لیے قبول فرمائے۔

وصلی اللہ وبارک وسلم علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.